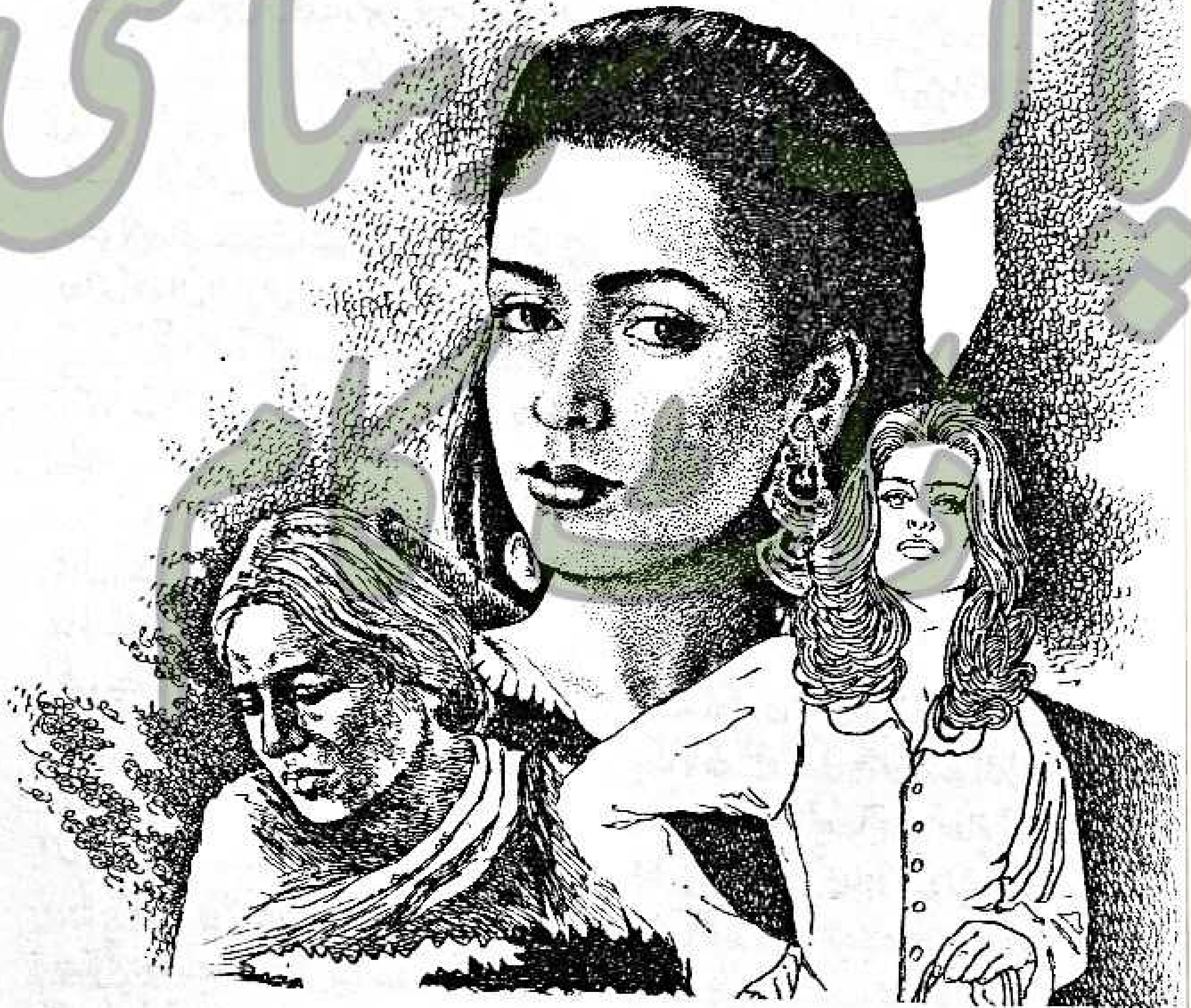
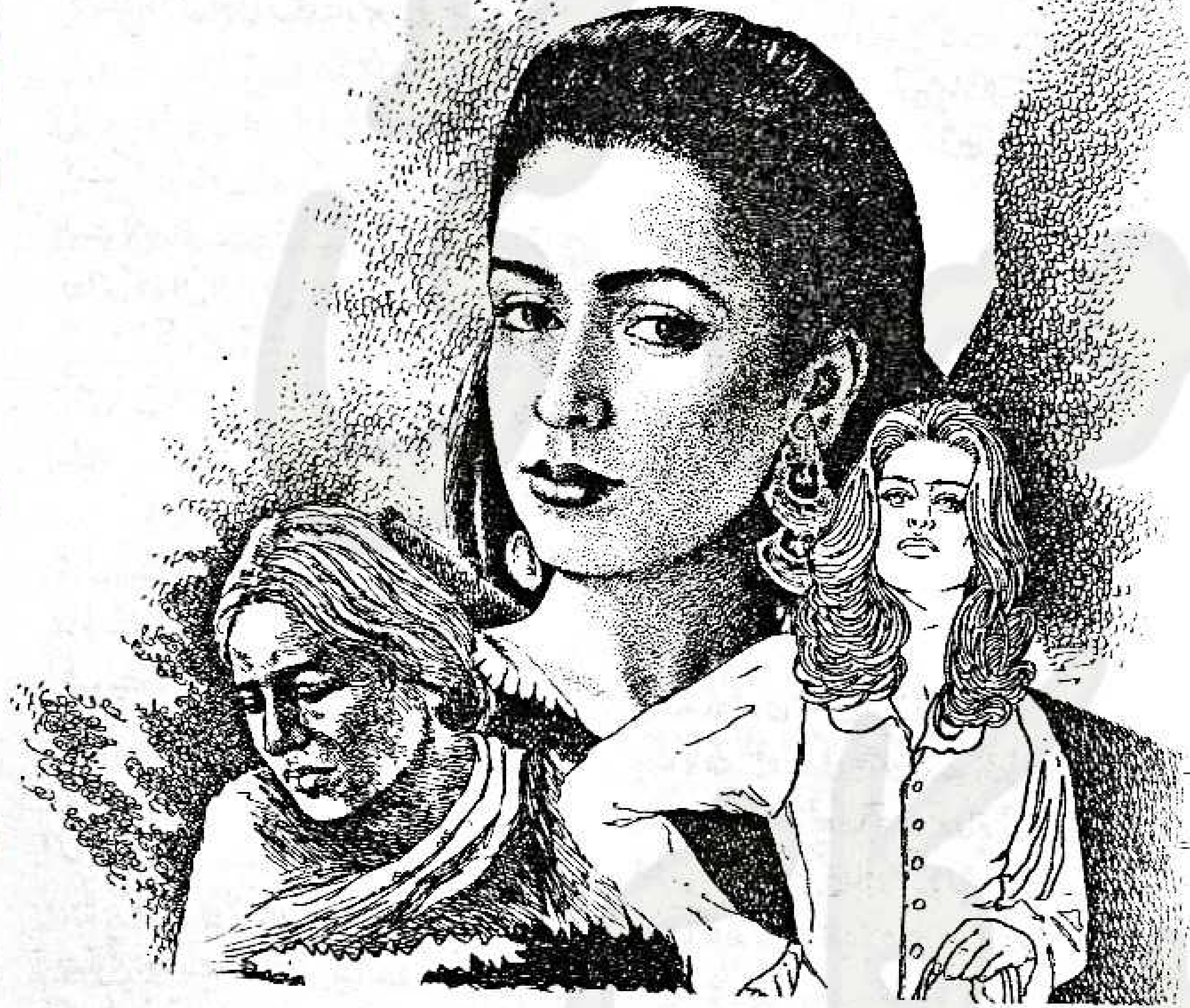
ماڈل گرل

سعدیہ رئیس



ماڈل گرل

سعدیہ رئیس



"رضوانہ، اب اٹھ بھی جاؤ شام ہوگئی ہے۔ ابھی مغرب کی اذان ہونے والی ہے۔" ماں کی آواز پر وہ چونکی۔

وہ اپنے کمرے میں بند بیزاری بیٹھی تھی جبکہ کمرے کے باہر چہل پہل کے آثار نمایاں تھے۔ اس کے کمرے میں اندھیرا تھا اور باہر زندگی کے رنگ اور رونقیں تھیں لیکن اب اس کا دل ان روشنیوں اور رنگوں سے مایوس ہوگیا تھا۔

اس کی زندگی اُس کے لیے عذاب بن گئی تھی بلکہ ایک ایسا امتحان بن گئی تھی جس میں چاہتے ہوئے بھی وہ کامیاب نہیں ہو پائی تھی۔

دروازے کی کنڈی نہیں لگی ہوئی تھی اسی لیے دستک کی تھاپ سے دروازہ تھوڑا سا کھل گیا اور روشنی کی لکیر اس کے اندھیرے کمرے میں یوں سرسراتی، دندناتی داخل ہوئی کہ مجبوراً رضوانہ کو بستر چھوڑنا پڑا۔

☆☆☆

وہ فریش ہوکر لاؤنج میں آئی تو غزالہ نے اسے مسکرا کر خوش آمدید کہا اور اس کی یہی مسکراہٹ اسے کچھ روز سے بری لگنے لگی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہی ہو۔

''تم کیسے آگئیں.....ابھی دو دن پہلے تو آئی تھیں آج پھر نازل ہوگئیں؟'' وہ لہجے کی تلخی کو چھپا نہ سکی۔

''ہاں، ہاں......چار دن میں ہی سب مجھے بھول گئے اور میرا آنا برا لگنے لگا۔'' وہ کچھ اٹھلا کر برا ماننے والے انداز میں بولی مگر خوشی اس کے انگ، انگ سے پھوٹ رہی تھی۔ چہرے پر چمک اور روپ بھی خوب چڑھا تھا وہ بھی صرف زبانی طور پر برا مان رہی تھی درحقیقت تو اپنے گھر میں وہ بہت خوش تھی اور اس کی یہی خوشی اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

''ہاں بھئی لڑکیوں کا تو مان ہی میکے کے دم سے قائم ہوتا ہے......کیوں نہ آئے گی وہ اور آج تو خاص طور پر تمہاری وجہ سے آئی ہے وہ۔'' امی نے فوراً ہی غزالہ کی حمایت کی۔

''کیوں......مجھ سے کیا کام تھا؟'' ابرو چڑھا کر اس نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

''پہلے ہی دیر ہوگئی ہے چائے پی کر جلدی سے تیار ہو جاؤ تم......کچھ مہمان آنے والے ہیں آج۔'' غزالہ کے بجائے ماں نے جواب دیا بلکہ حکم جاری کیا تھا اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ حسبِ توقع اس کا مزاج برہم ہوگیا۔

''میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ آئندہ آپ مجھے اس طرح کسی کے سامنے جانے پر مجبور نہیں کریں گی۔ آخر کب تک میں اپنی نمائش کرتی رہوں گی اور معاف کیجیے گا امی نمائش میں بھی اچھی چیزوں کو رکھا جاتا ہے۔'' دکھ کی شدت سے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

''افوہ......ایک تو یہ تمہارا کامپلیکس......ارے بھئی جب نصیب کھلنے کا وقت آتا ہے تو سب کچھ ہوجاتا ہے۔ کیا کمی ہے تم میں آخر......'' غزالہ کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ اس نے بات کاٹ دی۔

''خدا کے لیے مجھ پر اپنے حسن کی بڑائی جتانا چھوڑ دو۔ تمہاری خود کی شادی ہوگئی تو خواہ مخواہ مجھ پر مسلط ہو رہی ہو۔ میں کوئی سولہ سترہ سالہ لڑکی نہیں ہوں۔ تیس کی ہو جاؤں گی اس سال...... مجھے معلوم ہے کہ میرے اس بدصورت چہرے کو دیکھ کر کوئی بھی میرے لیے جھولی نہیں پھیلائے گا۔'' اس کے لفظ، لفظ میں زہر بھرا ہوا تھا۔

ہمیشہ کی طرح بہن اور ماں کے چہرے اس کے کانچ لفظوں کی چبھن سے متغیر ہوگئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود اذیتی اور خود ترسی کا شکار ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اسے زندگی کی ہر خوشی دینا چاہتی تھیں مگر اب تک ناکام رہی تھیں۔

☆☆☆

رضوانہ ان کی سب سے بڑی بیٹی تھی پھر حماد اور احمر تھے اور سب سے چھوٹی غزالہ تھی۔ گزشتہ برس ہی بہت سوچ بچار کے بعد انہوں نے غزالہ کی شادی کردی تھی کیونکہ اس کے بہت رشتے آرہے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بڑی کے انتظار میں چھوٹی کی بھی عمر گزر جائے اور پھر جب تک چھوٹی گھر میں تھی ہر آنے والا اسی کو پسند کرتا تھا کیونکہ وہ کم عمر بھی تھی اور بڑی کے مقابلے میں زیادہ اچھی اور دلکش لگتی تھی۔

اسی مصلحت کی وجہ سے انہوں نے غزالہ کی شادی کردی تھی مگر اس کے بعد سے رضوانہ کا برتاؤ ان سب سے ہی الگ ہوگیا تھا۔

وہ بہن سے جلنے لگی تھی اور اس کا گھر آنا بھی پسند نہیں کرتی تھی حالانکہ غزالہ کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ شکل صورت تو اللہ کی بنائی ہوئی ہوتی ہے اور رضوانہ خود بھی اتنی بدصورت نہ تھی ہاں بس بچپن کے چیچک کے کچھ داغوں نے اس کے چہرے کی رعنائی کو ختم کردیا تھا۔ اس کی رنگت بھی کافی دبتی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ صالحہ بیگم ابھی تک اس کا رشتہ کروانے میں ناکام رہی تھیں۔

رضوانہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود اسے آج بھی وہ ناگوار فریضہ انجام دینا پڑا۔ وہ مہمانوں کے سامنے چائے بھی پیش کرنے گئی مگر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اس نے خاص طور پر تیار ہونے کی زحمت نہ کی۔ جو کپڑے ماں نے اسے پہننے کے لیے کہے تھے وہ اسی طرح ہینگر میں لٹکے رہے اور ہمیشہ کی طرح وہی ہوا کہ لڑکے والوں نے معذرت کہلوادی۔

اس روز گھر میں پھر وہی تماشا ہوا جو ہر بار ہوتا تھا۔ رضوانہ نے جان بوجھ کر کانچ کے برتن توڑے، دروازے پٹخے اور سب کا بائیکاٹ کرکے کمرا نشین ہوکر رہ گئی۔ اس روز اس نے کھانا کھایا اور نہ کسی سے بات کی۔ وہ روز بروز...چڑچڑی اور غصیلی ہوتی جا رہی تھی اور گھر میں یہ بات باعثِ تشویش بنتی جا رہی تھی۔

''اس لڑکی نے تو حد ہی کردی...... اتنی بدمزاجی نے رہی سہی شکل صورت بھی خراب کردی۔ میں اس کے لیے بہت پریشان ہوگئی ہوں۔'' صالحہ بیگم تو روہانسی ہوگئی تھیں۔ غزالہ نے ہر ممکن طریقے سے ان کی دلجوئی کی۔

''آپ نے بھی تو حمیدہ خالہ پر اکتفا کیا ہوا ہے کوئی دوسرا ذریعہ بھی تو نکالیں۔ ارے ہاں......کیوں نہ ہم شادی دفتر والوں سے رجوع کریں۔'' اسے نیا خیال آیا اور انہیں بھی غزالہ کا آئیڈیا برا نہیں لگا۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ کتنے ہی سالوں سے حمیدہ خالہ نے انہیں آسرا دے رکھا تھا۔ ہر بار وہ نئی امید اور لگن کے ساتھ رشتے کے لیے آنے والوں کو خوش آمدید کہتیں۔ ان کے لیے پُرتکلف ناشتے پانی کا اہتمام کرتیں اور نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات اور اب تو انہیں رضوانہ کی بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی بڑھتی ہوئی بدمزاجی سے بھی خوف آنے لگا تھا وہ جلد سے جلد اس کے ہاتھ پیلے کرکے اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔

دراصل شادی دفتر والوں پر اعتبار کرنے سے وہ بہت ڈرتی تھیں۔ کچھ یہ بات بھی تھی کہ وہ خود بہت گھریلو قسم کی خاتون تھیں اور کچھ یہ خوف بھی تھا کہ بالکل انجانے اجنبی لوگ کہیں غلط نہ نکل آئیں۔ حمیدہ خالہ پر یوں بھروسا تھا کہ وہ ایک حد تک اپنی طرف سے گارنٹی دیا کرتی تھیں اور پھر یہ کہ وہ صالحہ کے گھر کے ماحول کو بھی اچھی طرح سمجھتی تھیں اسی لیے ان سے مطابقت رکھتے ہوئے رشتے لے کر آیا کرتی تھیں مگر رضوانہ کے نصیب پر تو جیسے قفل پڑ گئے تھے۔

غزالہ کے حوصلہ دلانے پر انہوں نے شادی دفتر والوں سے رجوع کرلیا مگر اس سے پہلے اپنے شوہر شفیق احمد سے بھی اجازت لے لی۔ انہوں نے بھی کچھ پس و پیش کے بعد اجازت دے دی کیونکہ درحقیقت اب وہ بھی رضوانہ کی شادی کے لیے پریشان ہوگئے تھے۔ ایک بار پھر نئی امنگ، نئے حوصلے اور نئی امید کا دامن تھام کر صالحہ ہر روز دروازے پر نگاہیں ٹکائے منتظر سی بیٹھی رہتیں کہ جانے کب بیٹی کی زندگی کی خوشیاں اچانک آجائیں لیکن یہاں پر بھی ایک بڑا امتحان ان کا منتظر تھا۔

دراصل رضوانہ خود ان کے لیے آزمائش بنتی جارہی تھی۔ اس کا غصہ، بدمزاجی اور زبان درازی انہیں بہت تکلیف پہنچاتی تھی۔ جس روز شادی دفتر والوں کی طرف سے پہلی بار کچھ لوگ اسے دیکھنے کے لیے آئے تو رضوانہ ماش کے آٹے کی طرح اینٹھ کر کمرے میں بند ہوکر بیٹھ گئی۔ ہزار منّت اور خوشامد کے بعد جب وہ اپنے عام سے حلیے میں بیزار صورت بنائے تیوریاں چڑھائے ان لوگوں کے سامنے گئی تو کچھ اور بھی بدصورت لگنے لگی۔ حسبِ توقع نتیجہ ناکامی کی صورت میں سامنے آیا۔

''اری بدبخت، یہ بدمزاجی تو تجھے اور بھی زیادہ برا دکھاتی ہے۔ کیوں میرا دل دُکھاتی ہے کیا تھا جو اگر تم خوش اخلاقی سے ان سے مل لیتیں۔'' جب برداشت کی حد ختم ہوئی تو اماں اس پر برس پڑیں۔

''میں جیسی ہوں انہیں ویسی ہی دکھائی دیتی ہوں۔ مجھے ضرورت نہیں ہے خواہ مخواہ کی خوشامد اور چاپلوسی کی۔ مجھے نہیں کرنی شادی وادی۔'' اس نے تڑخ کر انہیں جواب دیا اور حسبِ عادت ہاتھ میں تھمی پلیٹ زور سے سلیپ پر پٹخ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

کئی مہینے گزرنے کے بعد بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو صالحہ بھی مایوس اور افسردہ ہوگئیں۔ ان کے وظائف اور عبادتوں کا دورانیہ بھی طویل ہوتا جارہا تھا۔ کئی دفعہ کی نمائش کے بعد رضوانہ نے انہیں آئندہ کسی کے سامنے بھی جانے سے صاف منع کردیا تھا اور اسی بات سے ان کا دل زیادہ دُکھا تھا مگر پھر جیسے خدا ان پر بھی مہربان ہو ہی گیا۔

خلافِ توقع شادی دفتر والوں نے لڑکے والوں کی طرف سے رشتے کا سندیسہ بھیجا تو لمحے بھر کے لیے صالحہ پر شادیِ مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اِدھر رضوانہ بھی یہ خبر سن کر جہاں کی تہاں گنگ سی اپنی جگہ پر بیٹھی رہ گئی اسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اسے بھی کسی نے پسند کرلیا ہے۔

اگلے چند دن آپس کے مذاکرات میں گزر گئے۔ لڑکے کی تصویر بھی خاصی معقول تھی۔ رضوانہ نے بھی تصویر دیکھی اور رضامندی ظاہر کردی۔ دو ماہ بعد کی شادی کی تاریخ رکھنے پر غور کیا جانے لگا۔ صالحہ اور غزالہ، شفیق احمد کے ساتھ جاکر لڑکے کو بھی دیکھ آئے تھے۔ وہ سب بہت خوش تھے مگر رضوانہ کو یہ خوشی راس نہیں آئی۔

لڑکے والوں نے انہیں دھوکا دینے کی کوشش کی تھی مگر قسمت سے وہ ان کے دام میں آنے سے بچ گئی۔ جس لڑکے سے ان لوگوں کو ملوایا گیا تھا وہ دراصل ان صاحب کا بیٹا تھا مگر وہ صاحب خود پینسٹھ سال کے تھے وہی اصل اُمیدوار تھے.... جب بھائی حماد، غزالہ کے شوہر کے ساتھ ان کے آفس پہنچے تو چند مہربان لوگوں کی نشاندہی پر دھوکے اور فریب کا احوال اِن پر کھل گیا۔ ان لوگوں نے بھی انجانے میں ان پر یہ مہربانی کی تھی مگر آفس میں بیٹھے قدرے فربہ اور گنجے سے ادھیڑ عمر شخص کو رضوانہ کے ہونے والے شوہر کے روپ میں دیکھ کر ان دونوں ہی کو جھٹکا لگا تھا۔

جس طرح چٹ پٹ کرکے رشتہ طے ہوا تھا اسی طرح توڑ بھی دیا گیا لیکن رضوانہ کے اندر کی توڑ پھوڑ آتش فشاں کی طرح لاوا بن کر ابل پڑی۔ پہلے تو وہ جی بھر کر چیخی اور اٹھا پٹخ کی، اس کے بعد وہیں سب کے سامنے بیٹھ کر خوب روئی اور پھر اسے گہری چپ لگ گئی۔ صالحہ کو اسے یوں خاموش دیکھ کر ہول آنے لگے وہ پہلے سے بھی زیادہ پژمردہ، اداس اور بجھی بجھی سی نظر آئی۔ اس کے چہرے پر رونق تھی نہ امید کی چمک... اس کی حالت دیکھ کر ماں کا دل کٹنے لگتا۔

کسی نے ان کو مشورہ دیا کہ وہ بیٹی کے رشتے

کے لیے کسی بزرگ سے رجوع کریں تاکہ اس کے رشتے پر جو بندش کی گئی ہے اس کا خاتمہ ہوسکے اور یہ بات ان کے دل کو ایسی لگی کہ وہ دن رات اسی فکر میں اُلجھی رہتیں کبھی کہیں تو کبھی کسی کے پاس پہنچ جاتیں اور بیٹی کی فکر میں جیسے وہ گھر کی دوسری ذمے داریوں سے غافل ہوگئی تھیں۔ آنکھیں تو جب کھلیں جب ایک روز انہوں نے اُڑتی، اڑتی یہ خبر سنی کہ ان کا بیٹا احمر کسی لڑکی کے چکر میں ہے۔ خبر نہیں تھی تو صرف انہی کو نہیں تھی ورنہ آس پڑوس اور محلے والے بھی اس کے افیئر کے بارے میں جانتے تھے۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں احمر...... تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے کیا؟'' وہ اس پر چڑھ دوڑیں۔

''اماں پسند کی شادی کرنا گناہ تو نہیں ہے۔ میں اس لڑکی کو آپ کی اور ابا جی کی دعاؤں کے ساتھ اس گھر میں لانا چاہتا ہوں۔ آپ ابا جی سے بات تو کریں۔'' ان کی توقع کے برخلاف احمر نے ان سے بدتمیزی کرنے کے بجائے عاجزانہ درخواست کی تو وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

ویسے ماں تھیں اس لیے فوراً ہی دل پسیج گیا اب وہ اتنی بھی تنگ نظر نہ تھیں کہ اپنی بیٹی کے لیے بیٹے کی زندگی حرام کردیتیں۔ بہت سوچ کر انہوں نے نپے تُلے لفظوں میں شوہر سے بات کی لیکن وہ اپنے غصے کو دبا نہ سکے۔

''صاحبزادے کا دماغ خراب ہوگیا ہے، عشق کا بخار چڑھ گیا ہے اسے...... ارے پہلے کچھ بن کر تو دکھائے یا یونہی خالی ہاتھ پیروں پر شادی کرکے لائے گا اسے۔'' وہ بدستور بگڑے رہے۔

معاملہ اتنا سیدھا نہ تھا۔ صالحہ انہیں رام نہ کرسکیں۔ گھر میں ایک نیا محاذ کھل گیا اور وقتی طور پر رضوانہ کا معاملہ پسِ پشت چلا گیا۔ باپ بیٹے میں رسّا کشی جاری ہوگئی اور ماحول پر تناؤ چھا گیا۔ احمر کی نکلتی جوانی اسے باغی بنارہی تھی۔ صالحہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ

سسرال چلو

نُچوانے اپنے بال چلو
کِھنچوانے اپنی کھال چلو
لُٹوانے اپنا مال چلو
ہونا ہے اگر کنگال چلو
سسرال چلو، سسرال چلو

دو تحفے سالیوں سالوں کو
کچھ اُن کے قرابت والوں کو
شیرینی بچوں بالوں کو
ٹپکانے منہ سے رال چلو
سسرال چلو، سسرال چلو

ماں باپ کی مت پروا کرو
ہاں ساس، سسر کی چاہ کرو
یوں اپنے تئیں گمراہ کرو
غیرت کو پیچھے ڈال چلو
سسرال چلو، سسرال چلو

دانا ہو اگر نادان بنو
انسان نہیں حیوان بنو
بیوی کے گاڑی بان بنو
اپنی نہیں اُس کی چال چلو
سسرال چلو، سسرال چلو

سسرال جو ہر دم جاتے ہو
کیوں اپنی ساکھ گنواتے ہو
کیوں خود کو چغد کہلاتے ہو
مت ایسے میرے لال چلو
سسرال چلو، سسرال چلو

شاعر: گل بادشاہ
مرسلہ: شبینہ گل، راولپنڈی

سرکشی پر اتر آیا ہے۔ایک طرف شفیق صاحب تھے جو کسی طور پر بھی اس لڑکی کو اپنانا تو کجا اسے دیکھنے پر بھی رضا مند نہ تھے دوسری طرف احمر تھا جو ہر حال میں انہیں لڑکی سے ملوانا چاہتا تھا۔سب ہی نے اسے سمجھالیا۔غزالہ نے اور اس کے شوہر نے بڑے بھائی نے حتیٰ کہ رضوانہ نے بھی کوشش کر ڈالی مگر وہ اپنی بات پر بضد تھا۔باپ نے اس لڑکی سے نہ ملنے کی قسم کھالی تھی۔

عجیب تناؤ زدہ ماحول ہوگیا تھا۔انہی دنوں غزالہ کی ایک دوست کے توسط سے رضوانہ کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے تھے۔اس گرما گرمی کے ماحول میں رضوانہ کی اکڑ بھی کچھ کم ہوگئی تھی یا یہ کہ غزالہ کی دوست اقرا کے دوستانہ مزاج اور شیریں بیانی کا اثر تھا کہ رضوانہ چوں بھی نہ کر سکی۔

اقرا نے شادی سے پہلے گرومنگ کا کورس کیا تھا اور آج کل وہ ایک پارلر بھی چلا رہی تھی۔اس نے بڑی مہارت سے رضوانہ کو تیار کیا۔سارا دن لگا کر اس نے رضوانہ پر اتنی محنت کی کہ اس کی مرجھائی ہوئی شکل، ڈل رنگت اور مایوس تاثرات جانے کہاں غائب ہوگئے۔اقرا میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ مقابل سے اپنی بات منوالیا کرتی تھی سو رضوانہ بھی اس کے آگے کچھ نہ بول سکی۔

تیار ہونے کے بعد اس نے آئینے میں اپنے سنورے روپ کو دیکھا تو اسے خود بھی یقین نہیں آیا۔اس پر ستم اس کے ڈھیلے بالوں سے نکلی لٹیں اسٹائلش سے انداز میں اس کے گالوں پر جھولتی بے حد خوب صورت تاثر پیش کر رہی تھیں اور شاید پہلی بار وہ بنا تیوریاں چڑھائے خود کو سنوار کر یوں بر دکھوے کے لیے تیار ہوئی تھی۔

مہمانوں کے آنے میں ابھی وقت تھا اس لیے وہ فرصت سے بیٹھی ان لوگوں کا انتظار کر رہی تھی مگر وقت سے پہلے ہی دروازے پر ہونے والی دستک نے اسے چونکا دیا۔غزالہ نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ احمر اس لڑکی کو ملوانے کے لیے گھر... لایا ہے اور اس کے بعد گھر، گھر نہیں میدانِ کارزار بن گیا۔

شفیق احمد کی باتوں کی گھن گھرج توپ کے گولوں کی طرح بیٹے پر برسنے لگی اور اس گھن گرج میں اس وقت مزید اضافہ ہوگیا کہ جب حماد نے انہیں یہ اطلاع دی کہ وہ لڑکی ایک ماڈل گرل ہے۔

''ہائے افسوس......ولی کے گھر شیطان ارے تم نے تو اپنے بزرگوں کی اور اپنے خاندان کی عزت نیلام کر دی۔یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں اپنی پسند پر اختیار ہے لیکن ماڈل گرل سے شادی......؟ تف ہے تم پر......ارے وہ ماڈل گرل جو سارے زمانے کے سامنے سج بن کر اپنی نمائش کرتی ہے۔ارے خود سوچو وہ ایک بدنامِ زمانہ، بے حیا لڑکی ہے۔تیار ہو کر اپنی اداؤں سے سب کو رجھاتی ہے اپنے حسن سے سب کو زیر کرتی ہے۔آخ......کہاں یہ ماڈل گرل اور کہاں ہم جیسے خاندانی لوگ۔ارے یہ جوڑ تو کہیں سے بھی نہیں ملتا۔یہ ایک ماڈل گرل اور پھر ہم عزت دار لوگ ہیں۔'' شفیق احمد غصے سے بے قابو ہو کر کف اُڑا رہے تھے اور اندر بیٹھی رضوانہ کے کانوں میں جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ انڈیل دیا تھا۔

آئینے میں اس کا سجا سنورا روپ اپنے جلوے دِکھا رہا تھا اور اس کے کانوں میں شفیق احمد کے الفاظ گونج رہے تھے۔

''یہ ایک ماڈل گرل......یہ ایک ماڈل گرل......!'' ان کے ایک ہی جملے کی تکرار اس کے ماؤف ذہن میں کسی دیوانے کی طرح سر پٹخنے لگی۔اس نے پتھرائی نظروں سے آئینے میں نظر آنے والی اس سجی سنوری لڑکی میں اپنا آپ ڈھونڈنا چاہا مگر وہاں تو صرف ایک ماڈل گرل نظر آرہی تھی جسے کچھ دیر بعد خود کو نمائش کے لیے پیش کرنا تھا۔

